بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

اسرار احمد

"حکمتِ قرآن" کا پیشِ نظر شمارہ اپریل اور مئی ۸۸ء کی دو اشاعتوں کے قائم مقام ہے، اور چونکہ یہ ان شاء اللہ العزیز اکثر قارئین تک رمضان مبارک کے دوسرے عشرے کے آغاز میں پہنچ جائے گا، لہٰذا اس میں ایک تو راقم کی ایک پرانی تحریر "عظمتِ صوم" بعض ترامیم اور اضافوں کے علاوہ نئی کتابت اور جدید تزئین کے ساتھ شامل ہے، اور دوسرے "زندگی، موت اور انسان، آئینۂ قرآنی میں" کے عنوان سے راقم کی بعض دوسری پرانی تحریریں بھی نئی کتابت اور جدید ترتیب کے ساتھ شامل ہیں۔

ہمیں خوب اندازہ ہے کہ بعض احباب کی طبعِ نازک پر یہ "نئی بوتلوں میں پرانی شراب" کی پیشکش گراں گزرے گی، لیکن راقم اپنے قلب اور ذہن دونوں کے ہاتھوں مجبور ہونے کی بنا پر معذرت کے ساتھ مستدعی ہے کہ رفقاء و احباب ان تحریروں کی قدامت کی بنا پر انہیں نظر انداز نہ کریں، بلکہ انہیں نئے ذوق و شوق کے ساتھ بالخصوص رمضان مبارک کے آخری عشرے میں مطالعہ فرمائیں۔ اُمید واثق ہے کہ ان پر ہمارا دردِ دل بھی واضح ہو جائے گا۔ (اور اس طرح ہماری معذرت بھی قبول ہو جائے گی) ـــــ اور کیا عجب کہ انہیں اس بادۂ کہن میں ایک لذتِ تازہ کا احساس ہو، اور ان کے ذریعے انہیں عہدِ حاضر کے ایک اہم اور فعّال دینی عنصر کے دینی تصورات کی اس بنیادی کمی یا کجی کا کماحقہٗ ادراک و شعور حاصل ہو جائے جو بہت سی احیائی تحریکوں کی ناکامی کا اصل سبب ہے!

© rasailojaraid.c

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اب سے لگ بھگ ایک صدی قبل تک مسلمان معاشرے کی مذہبی قیادت کے بحرِ محیط میں دو رَوئیں بہت حد تک جُدا جُدا چل رہی تھیں ـــــ (اگرچہ کہیں کہیں "الشاذ کالمعدوم" کے درجہ میں ان کے مابین تالیف و امتزاج کی صورتیں بھی نظر آجاتی تھیں) ـــــ ان میں سے ایک رَو کے نمایاں مظاہر تھے مدارس و مکاتب، مساجد کی امامت و خطابت اور افتاء و قضاء کے مناصب، اور دوسری رَو کے اہم مظاہر تھے پیری مریدی اور سلوک و ارشاد کے سلسلے اور زاویوں اور خانقاہوں کا نظام ـــــ ان میں سے اوّل الذکر کو سرپرستی حاصل رہی اوّلاً امراء و سلاطین کی، اور بعد ازاں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی، جبکہ مؤخر الذکر کو قبولِ عام اور نیاز مندانہ تعاون حاصل رہا عوام النّاس کا۔

یہ ایک بیّن حقیقت ہے کہ جسدِ ملّی کے بہت سے عوارض و امراض کا اصل سبب یہ ہے کہ تقریباً سات آٹھ سو سال تک یہ دونوں سلسلے نہ صرف آزادانہ اور جُداگانہ انداز بلکہ بسا اوقات مخالف اور متضاد سمتوں میں پروان چڑھتے چلے گئے! اور ان کے مابین آمیزش اور تالیف (SYNTHESIS) تو شاذ کے درجہ میں رہا، اکثر و بیشتر آویزش اور چشمک، اور رقابت و مخالفت کا سماں بندھا رہا، چنانچہ ہر پڑھا لکھا شخص جانتا ہے کہ صوفی و مُلّا کی چشمک اور مدرسہ و خانقاہ کی رقابت ہمارے شعر و ادب کا ایک دلچسپ اور جاندار موضوع رہا ہے۔

اسی طرح یہ حقیقت بھی اصحابِ فہم و شعور سے مخفی نہیں ہے کہ بعض دوسرے اسباب و عوامل کے ساتھ ساتھ ہمارے جسدِ ملّی کے ان دو سلسلوں کے باہمی تصادم کو بھی اُس اجتماعی ضعف و اضمحلال کی شدّت اور قوّتِ مدافعت و مقاومت کی کمی میں اہم دخل حاصل ہے جس کی بنا پر ع "ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات!" کے مصداق استعماری بھیڑیوں کو عالمِ اسلام پر پنجہ زنی کی جرأت حاصل ہوئی چنانچہ کہاں تو وہ عالم تھا کہ بقول علّامہ شبلی مرحوم ؎

یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے بچے\
کھیلنے جاتے تھے ایواں گہِ کسریٰ میں شکار!

اور کہاں نوبت بایں جا رسید کہ لارڈ کلائیو اور کرنل لارنس ایسے "چھوکروں" نے عالمِ اسلام کو تکہ بوٹی کر کے رکھ دیا!

.com
d.com

عالمِ اسلام پر مغربی استعمار کے غلبے کا دَور اس کے مشرقی بازو یعنی ملائشیا، انڈونیشیا اور برِّعظیم پاک و ہند پر تو لگ بھگ دو صدیوں پر محیط تھا، لہٰذا یہاں تو مغربی فلسفہ و فکر اور تہذیب و تمدّن کے اثرات فطری طور پر نہایت گہرے رہے ہے، مشرقِ وسطیٰ اور شمالی افریقہ پر یہ تسلّط اگرچہ صرف نصف صدی تک محدود رہا لیکن یورپ سے جغرافیائی قرب کے باعث مغربی تہذیب سے تأثر و انفعال میں یہ علاقے بھی کسی طرح پیچھے نہیں رہے۔

اس استعماری تسلّط اور فکری و تہذیبی غلبے کے دَوران جسدِ ملّی میں عمل اور ردِّ عمل کے بہت سے مظاہر سامنے آئے جن میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آمیزش اور تالیف (SYNTHESIS) کی صورتیں بھی پیدا ہوئیں (جن پر تفصیلی گفتگو ہم نے "اسلام کی نشأۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام" ـــــ اور "تاریخ اسلام میں عقل اور نقل کی کشمکش" نامی تحریروں میں کی ہے!) ـــــ تاہم اس وقت جس اہم حقیقت کی جانب اشارہ مقصود ہے وہ یہ ہے کہ اس دَور میں مذہبی قیادت کے دونوں متذکرہ بالا سلسلوں کی گرفت کمزور پڑی، اور ایک نیا فعال مذہبی عنصر منصّہ شہود پر آیا جس کا مؤقف بلکہ دعویٰ یہ تھا کہ وہ "مادر پدر آزاد" اور مغربی تہذیب سے مرعوب 'جدیدیت' (MODERNISM) ـــــ اور "لکیر کی فقیر" اور تقلیدِ اعمیٰ پر مبنی دقیانوسی 'رجعت پسندی' (REACTIONARY OBSCURANTISM) کے بین بین ایک ترقی پسندانہ نقطۂ نظر کا حامل اور ہر اعتبار سے معقول اور منطقی (SCIENTIFIC) مذہبی فکر کا علمبردار ہے۔

جہاں تک اس نئے مذہبی عنصر کی فکری امامت کے منصب کا تعلق ہے، اس میں ہرگز کوئی شک نہیں ہے کہ اس پر تا حال پورے عالمِ اسلام کی سطح پر صرف علامہ اقبال مرحوم و مغفور فائز ہیں۔ جنہوں نے ایک جانب دونوں قدیم مذہبی سلسلوں سے اپنی مایوسی اور دلگیری کا اظہار ان درد بھرے الفاظ میں کیا کہ ع

اُٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے نمناک!

اور دوسری جانب متذکرہ بالا 'جدیدیت گزیدہ' اور 'رجعت پسند' رجحانات سے اپنی بیزاری کا اظہار اس بلیغ پیرائے میں کیا کہ

کہا اقبال نے شیخِ حرم سے — تہِ محرابِ مسجد سو گیا کون؟
ندا مسجد کی دیواروں سے آئی — فرنگی بتکدے میں کھو گیا کون؟

© rasailojaraid.com

تاہم عملی جدّوجہد کے میدان میں اس تیسرے اور جدید فعّال مذہبی عنصر کا ظہور ان متعدّد احیائی تحریکوں کی صورت میں ہوا جو مشرق سے مغرب تک بہت سے مسلمان ممالک میں تقریباً ایک ہی وقت میں شروع ہوئیں اور جن کے بارے میں محترم نعیم صدیقی صاحب کا یہ شعر صدفی صد درُست ہے جو انہوں نے لگ بھگ تیس برس قبل کہا تھا ؎

ہے ایک ہی جذبہ کہیں واضح کہیں مبہم
ہے ایک ہی نغمہ، کہیں اُونچا کہیں مدّھم!

دُوسرے بہت سے اہم امور سے قطع نظر، ان جملہ احیائی تحریکوں کی ایک قدرِ مشترک یہ بھی رہی کہ انہوں نے جو جدید تصوّرِ اسلام اختیار کیا اس میں اگرچہ اسلام کے "نظامِ حیات" کی معقولیّت اور برتری کے ضمن میں عقلی اور منطقی استدلال کی بھی کوئی کمی نہیں، اور الحمدللہ کہ وہ انقلابی جذبہ اور جوش وخروش بھی نمایاں طور پر موجود ہے جس کے ڈانڈے بلاشبہ غلبہ واقامتِ دین کے لیے "جہاد فی سبیل اللہ" سے ملتے ہیں لیکن افسوس کہ دین کے روحانی اور باطنی (ESOTERIC) پہلو کی خطرناک حد تک کمی ہے۔ نتیجتہً اُن کا ربط وتعلّق قدیم مذہبی سلسلوں میں سے طبقۂ علماء کے ساتھ تو ادنیٰ درجہ میں ہی سہی کسی نہ کسی حد تک قائم ہوا لیکن تصوّف اور اہلِ تصوّف سے تو بالکل کٹ کر رہ گیا ——— اور ان کے ضمن میں ذہنی تحفّظات نے رفتہ رفتہ فصل وبعد سے آگے بڑھ کر نفرت وحقارت کی صورت اختیار کرلی ——— (حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر اس کوچے میں دنیادار اہی نہیں دُکاندار، صوفی بکثرت پائے جاتے ہیں تو دوسرے میدان میں بھی دین ومذہب کے سوداگروں اور فتویٰ فروش مولویوں کی ہرگز کوئی کمی نہیں ہے! اور اُمّت کے زوال اور دین کے فساد میں حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ کے قول کے مطابق غلط کار "رہبان" کے ساتھ ساتھ "احبارِ سوءِ" کو بھی برابر کا دخل حاصل ہے۔)

اس ذہنی امتیاز (MENTAL DISCRIMINATION) کی ایک نہایت نمایاں اور دلچسپ مثال یہ ہے کہ برّعظیم پاک وہند کے جدید احیائی حلقوں میں بارہویں صدی ہجری کے مجدّدِ اعظم اور "مجمع البحرین" اور جامع شریعت وطریقت ہونے کے اعتبار سے عدیم النظیر شخصیّت یعنی شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تصانیف اور تالیفات میں سے حُجّۃ اللہ البالغہ، الفوز الکبیر فی اصُول التفسیر،

اور الانصاف فی بیانِ سببِ اختلاف ایسی کتب تو بہت مقبول ہیں، لیکن تفہیماتِ الٰہیہ، ہمعات، سطعات" اور لمعات ایسی کتب سے کوئی تعلّق واعتنا نہیں پایا جاتا ــــــ رہیں فیوض الحرمین اور انفاس العارفین ایسی کتب تو اُن کے ضمن میں تو صرف غضِّ بصر ہی پر اکتفا نہیں بالضابطہ "تبرّا" پایا جاتا ہے!

اس امرِ واقعی پر اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر بجا لایا جائے کم ہے کہ عہدِ حاضر کے فکرِ اسلامی کے امام علامہ اقبال مرحوم کے یہاں دین کے باطنی پہلوؤں کا ادراک بتمام وکمال موجود ہے۔ چنانچہ انہوں نے "فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید" (RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM) کی تو بنیاد ہی "باطنی تجربے" یعنی وارداتِ روحانی پر قائم کی ہے ــــــ ان کے منظوم کلام میں اگرچہ ابتداءً تصوّف سے بُعد کے آثار پائے جاتے تھے تاہم ان کا بعد کا پورا کلام تصوّف کی چاشنی سے لبریز اور باطنی سوز و ساز، کیف و سرور حتّٰی کہ جذب و مستی کی کیفیات سے سرشار ہے یہاں تک کہ اپنے فارسی کلام کے اعتبار سے تو وہ یقیناً رومیِ ثانی کی حیثیت رکھتے ہیں ــــــ یہی وجہ ہے کہ برّعظیم پاک و ہند میں قدیم مذہبی فکر کے خلاف انتہا پسندانہ ردّعمل (ANTI-THESIS) کی سب سے بڑی علامت یعنی غلام احمد پرویز کو علامہ مرحوم کے ساتھ تمام تر محبّت و عقیدت کے ادّعا کے باوصف ان کے کلام کے اس پہلو کی تردید اور اس سے اعلانِ برأت اور اظہارِ بیزاری کے لیے ایک باقاعدہ کتاب تصنیف کرنی پڑی) ــــــ تاہم اس امرِ واقعی پر جس قدر افسوس کیا جائے کم ہے کہ جو احیائی تحریکیں اس وقت میدان میں عملاً برسرِ کار ہیں، وہ جس طرح امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی فلسفیانہ اور متصوّفانہ تصانیف سے اظہارِ برأت کرتی ہیں اسی طرح تاحال اُن کا کوئی ذہنی و قلبی رشتہ علامہ مرحوم کے فکر کے اس گوشے کے ساتھ بھی قائم نہیں ہو سکا!

یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اِن احیائی تحریکوں کے جسدِ فکری کا بھی ایک پہلو بالکل مفلوج ہے ــــــ چنانچہ اِن حلقوں میں عقائد و نظریات کے ضمن میں عقلی اور منطقی بحثوں کی تو خوب گرم بازاری پائی جاتی ہے، اور اسلام کی ملّی و سیاسی اور عمرانی و معاشرتی تعلیمات پر بھی خوب سیر حاصل گفتگو ہوتی ہے[1] ــــــ لیکن نہ حقیقتِ انسان کے ضمن میں رُوح کی حیاتِ باطنی اور اس کے متضمّنات اور لوازمات کا کوئی ذکر ملتا ہے، نہ حقیقتِ احسان کے ضمن میں یقین کی

---

[1] [illegible]

© rasailojaraid.c

اُس کیفیت کا کوئی سُراغ ملتا ہے جو حکمتِ نبوی میں "کَاَنَّکَ تَرَاہ" کے مبارک الفاظ میں بیان ہوئی ہے ——— اسی طرح عمل کے میدان میں بھی ان حلقوں میں جوشِ تبلیغ اور جذبۂ جہاد کی تو بحمداللہ بہت فراوانی پائی جاتی ہے، لیکن نہ خشوع و خضوع، تضرّع و اخبات اور تجرّد و تبتّل کی کیفیات، نہ عبادات کے ذوق و شوق اور لذّتِ دعا اور حلاوتِ مناجات کا مشاہدہ ہوتا ہے، نہ ع "من کی دنیا، من کی دنیا، سوز و مستی جذب و شوق" کی کیفیّت نظر آتی ہے ——— اور واقعہ یہ ہے کہ یہی ان تحریکوں کی ناکامی کا اصل سبب ہے!

اور اگرچہ ——— ایک[1] جانب ہماری سوچی سمجھی رائے، جسے ہم نے پہلے بھی برملا بیان کیا ہے[2]، یہ ہے کہ جہاں تک عہدِ حاضر میں احیاءِ ملّت اور دین کے غلبہ و اقامت کی جدّ و جہد کا تعلّق ہے اس کے تقاضے پُورے کرنا قدیم مذہبی حلقوں کے بس کا روگ نہیں ہے، اس لیے کہ، علماءِ سُوء سے قطعِ نظر، طبقۂ علماء کے "خیار" سے بھی زیادہ سے زیادہ اعتقادی فتنوں کے استیصال اور بدعات و رسومات کی بیخ کنی یعنی اسلام کے صحیح عقائد اور کم از کم تعبّدی امور کی حد تک صحیح عمل کی حفاظت و مدافعت ہی کی توقع کی جا سکتی ہے ——— رہے حلقہ ہائے تصوّف تو ان کے ضمن میں اس افسوسناک حقیقت کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ فی الوقت اُن میں سے اکثر و بیشتر ——— "مست رکھو ذکر و فکر صبحگاہی میں اسے"! ——— اور "پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے"! ہی کی روش پر عمل پیرا ہیں" گویا ع "بالشّہ درویشی درساز و دما دم زن"! پر تو عمل کر رہے ہیں، لیکن ع "چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن"! کا کوئی پروگرام اُن کے حاشیۂ خیال تک میں موجود نہیں ——— لہٰذا اسلام کی نشأۃِ ثانیہ اور دینِ حق کے غلبہ و اقامت کی جدّ و جہد کے آگے بڑھنے کا اگر کوئی امکان ہے تو صرف اِن احیائی تحریکوں ہی کے ذریعے ہے۔

---

[1] اگرچہ اسلام کی معاشی و اقتصادی تعلیمات کے ضمن میں یہ تحریکیں تاحال دورِ ملوکیت میں راسخ ہو جانے والے تصوّرات کے چُنگل سے آزاد نہیں ہو پائیں۔ اور اس معاملے میں بھی افسوس ہے کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ فکرِ اقبال سے کوئی استفادہ نہیں کیا، بلکہ اس میدان میں بھی کچھ غضِّ بصر اور کچھ "تاویل القول بمالا یرضیٰ بہ القائل" پر عمل ہو رہا ہے۔

[2] (ملاحظہ ہو "اُمّتِ مسلمہ کے عروج و زوال" کے موضوع پر راقم کی تحریر جو ۱۹۶۶ء میں سپردِ قلم و قرطاس ہوئی تھی اور اب "سرافگندیم" نامی کتاب میں بطورِ مقدمہ شامل ہے)

یہی وجہ ہے کہ راقم خود اپنی ذات اور اپنی جماعت "تنظیم اسلامی" کو بھی اسی وادی کے مسافروں میں شمار کرتا ہے! لیکن دوسری طرف ——— ہمیں اس امر کا بھی لیقین کامل حاصل ہے کہ ان احیائی تحریکوں کے مجموعی مذہبی فکر میں باطنی پہلو (ESOTERIC ELEMENT) کے اعتبار سے جو کمی پائی جاتی ہے اگر اسے دُور نہ کیا جا سکا ——— اور ان کا مضبوط ربط اور گہرا تعلق روح کی حیاتِ باطنی کے "عروۃ وثقیٰ" کے ساتھ قائم نہ ہوا تو یہ تحریکیں (بشمول خود ہماری تحریک کے) مستقل طور پر بے لنگر کے جہازوں کے مانند بھٹکتی رہیں گی اور انہیں کبھی منزلِ مقصود تک پہنچنا نصیب نہ ہو سکے گا!

اب یہ بھی ایک ظاہر و باہر حقیقت ہے کہ ایک نارمل اور صحت مند انسانی شخصیت میں عمل کا دار و مدار فکر ہی پر ہوتا ہے یعنی فکر صحیح ہو گا تو عمل بھی درست ہو گا اور فکر میں کجی ہو گی تو عمل بھی لامحالہ کج ہو گا، اسی طرح فکر یک رخا ہو گا تو اس کے نتیجے میں جو شخصیتیں وجود میں آئیں گی وہ بھی لامحالہ یک رُخی ہی ہوں گی اس لیے کہ جامع شخصیتیں تو صرف جامع فکر ہی کے کوکھ سے برآمد ہو سکتی ہیں ——— گویا وقت کی اہم ترین ضرورت ایک ایسے جامع دینی فکر کی تدوین ہے جو اسلام کے جملہ ظاہری اور باطنی ـ یعنی قانونی و فقہی ـ اور ایمانی و احسانی پہلوؤں کا احاطہ کر لے۔

الحمد للہ کہ ہمارے پاس اس مطلوبہ جامع دینی فکر کا منبع اور سرچشمہ، اور مبنیٰ و مدار قرآن حکیم کی صورت میں اس شانِ محفوظیت کے ساتھ موجود ہے کہ ؎

حرفِ اُو را ریب نَے ، تبدیل نَے! آیہ اش شرمندۂ تاویل ، نَے!

یہ دوسری بات ہے کہ عہدِ حاضر کے بہت سے مفسّرین قرآن اور مفکّرینِ اسلام قرآنِ حکیم کی اُن آیات سے جن کا تعلّق فلسفہ کے دقیق مسائل یا حکمت کے غامض نکات سے ہے، ایسے سرسری انداز میں گزر جاتے ہیں جیسے وہاں کوئی قابلِ التفات یا لائقِ اعتنا بات ہے ہی نہیں! مثلاً اس دَور کے ایک نامور مفسّر، صاحبِ تدبّرِ قرآن نے سورۃ حدید کی عظیم اور پرہیبت و پُرجلال آیتِ مبارکہ "هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ" کے ضمن میں صرف چند سطریں تحریر کی ہیں جبکہ اس مقام پر امام رازی ایسا انسان کانپتا اور لرزتا نظر آتا ہے اور

© rasailojaraid.com

اپنے آپ کو گھٹنے ٹیک کر یہ کہنے پر مجبور پاتا ہے کہ "اِعلَم اَنّ ھٰذا المقامَ مقامٌ غامضٌ عمیقٌ مہیبٌ" (جان لو کہ یہ مقام نہایت مخفی، نہایت گہرا اور حد درجہ ہیبت والا ہے) ! ــــــــ اور لُطف یہ ہے کہ اس مقام پر مولانا اصلاحی نے ایک ماثورہ دعا کا سہارا لیا ہے جبکہ بعض دوسرے معاملات میں انہوں نے سَند کے اعتبار سے ثقہ ترین احادیث کو ایسے اٹھا کر پھینک دیا ہے جیسے (معاذ اللہ) اُن کی کوئی حیثیت ہی نہ ہو ــــــــ اسی طرح آج سے لگ بھگ پچیس تیس برس قبل کا واقعہ ہے کہ جب چنچل گوڑہ، حیدر آباد (دکن) کے کسی دارالاشاعت کی جانب سے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تصنیف 'عبقات'، 'میثاق' میں تبصرے کے لیے آئی تو راقم چشم دید گواہ ہے کہ انہوں نے اِسے ردّی کا غذات کی ٹوکری میں پھینک دیا تھا۔ حالانکہ خود اُن کی گواہی ہے کہ اُن کے استاذ اور امام مولانا فراہیؒ کی حیاتِ مستعار کے آخری دَور میں اُن کے تکیے کے نیچے مؤلفِ 'عبقات' کے دادا شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی سطعات، ہمعات، اور لمعات ہی رہتی تھیں! اور شاہ شہیدؒ کے اپنے قول کے مطابق انہوں نے 'عبقات' اپنے جدّ امجد کی ان تصانیف کی تسہیل و تفہیم ہی کے لیے تصنیف کی تھی! ــــــــ اور یہ معاملہ صرف ایک شخص کا نہیں، بعض دوسرے مفکّرین اور داعیانِ اسلام کا حال اس سے بھی زیادہ زبوں و دگرگوں ہے!

اس کا سبب یہ ہے کہ تا حال عالمِ اسلام کے جدید مذہبی مفکّرین کے قلوب واذہان پر انیسویں صدی عیسوی کی سائنسی عقلیت (SCIENTIFIC RATIONALISM) کی چھاپ نہایت گہری ہے اور جس طرح مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے جدید مادّی تہذیب کو 'دجّالیت' سے تعبیر کیا ہے اِس لیے کہ دجّال کی طرح اس کی بھی بس ایک ہی آنکھ ہے۔ اسی طرح یہ جدید مذہبی فکر بھی یک رخا اور یک چشم ہے! ــــــــ اور ہمیں یقین ہے کہ جب تک اس کی دوسری آنکھ پر بندھی ہوئی پٹی نہیں کھُلے گی غلبۂ اسلام اور احیائے دین کی بات آگے نہیں بڑھ سکے گی۔

یہی وجہ ہے کہ راقم الحروف نے اپنی حیاتِ مستعار کے گزشتہ بائیس برس تعلیم و تعلّم قرآن کی جس تحریک کی نظر کیے ہیں اُس میں اگرچہ نمایاں عنصر قرآن کی انقلابی دعوت کا ہے۔ (جس کی علمبردار ہے 'تنظیم اسلامی' اور نقیب ہے مجلّہ 'میثاق') لیکن اس کے ساتھ ساتھ فکرِ قرآنی کے حکیمانہ اور فلسفیانہ پہلوؤں پر بھی پُورا زور دیا جاتا ہے ــــــــ اور ان بائیس سالوں کے

دوران قرآن حکیم کے جس درس و تدریس میں راقم نے بفضلہٖ تعالیٰ جسم و جان کی بیشتر اور بہتر توانائیاں صرف کی ہیں اس میں جہاں غلبہ و اقامتِ دین کی تحریک اور جہاد و قتال فی سبیل اللہ کی دعوت کی گھن گرج موجود ہے وہاں، الحمدللہ کہ قرآن کے علم الحقائق کی روشنی اور قرآنی تصوف و احسان کی چاشنی بھی موجود ہوتی ہے[۱]۔ اور جیسے کہ اس سے قبل بارہا عرض کیا جا چکا ہے، اس میں راقم کے کسی ذاتی کمال کو ہرگز کوئی دخل حاصل نہیں ہے، بلکہ یہ سراسر اللہ کا فضل ہے کہ اس نے راقم کے لیے ایسے حالات پیدا فرما دیئے کہ وہ اگر ایک جانب متعارف ہوا مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی وساطت سے قرآن کی تحریکی اور انقلابی تعلیمات سے، تو دوسری جانب واقف ہوا مولانا فراہیؒ اور خود مولانا اصلاحی کے ذریعے قرآن حکیم کے داخلی نظم اور فطری طریق استدلال سے، اسی طرح اگر ایک جانب اُسے رسائی حاصل ہوئی علامہ اقبال ہی کے اس شعر کے مصداق کہ ؎

فکر انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
ہے پرِ مرغِ تخیل کی رسائی تا کجا !!

——— خود علامہ اقبال اور ان کے فلسفۂ خودی کے صحیح ترین شارح ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی وساطت سے قرآن حکیم کے اس جامع فکر و فلسفہ سے جو عہدِ حاضر کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر ذہین ترین اشخاص کے لیے " وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ " کا سامان فراہم کر سکتا ہے ——— تو دوسری طرف اپنے اس پورے ذہنی سفر کے دوران اس نے مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھا شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ترجمۂ قرآن اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے تفسیری حواشی کے " عروۂ وثقیٰ " کو جن میں رسوخ فی العلم، کے علاوہ سلفِ صالح کے ساتھ تعلق کا تسلسل بھی ہے اور قرآن کے تصوف و احسان کی چاشنی بھی! فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّه !!

---

[۱] چنانچہ حال ہی میں جب راقم الحروف کا مسلسل درس قرآن سورۂ حدید سے ہوتے ہوئے سورۂ حشر تک پہنچا تو سورۂ حدید کی آیۂ مبارکہ " هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ ...... (الآیہ) اور سورۂ حشر کی آیۂ کریمہ " وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ .... (الآیہ) میں سے ہر ایک پر ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو گھنٹوں پر مشتمل تین تین نشستیں صرف ہوئیں اور الحمدللہ کہ تین تین چار چار صد سامعین میں سے کسی نے " لَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا يَخْلَقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ " کے مصداق کوئی اکتاہٹ محسوس نہیں کی۔

© rasailojaraid.com

بہرحال قرآن کے متذکرہ بالا علم الحقائق اور تصوّف واحسان کے وسیع وعریض دسترخوان سے جو چند لقمے راقم کو میسّر آئے ہیں وہ اُسے نہایت عزیز ومحبوب ہیں۔ اور ان ہی میں سے بعض کو اس نے اپنے رفقاء واحباب کی ضیافتِ معنوی کے لیے ع "گوہر دریائے قرآں سفتہ ام" کے مصداق اپنی ان تحریروں کے دسترخوان پر چُنا ہے جو اس شمارے میں بارِ دگر پیش کی جا رہی ہیں۔ اس لیے کہ اِن کے بارے میں راقم کی قلبی کیفیت بالکل وہی ہے جو اقبال کے ان اشعار میں ہویدا ہے کہ :

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلے میں لُٹا دے اسے
لُٹا دے، ٹھکانے لگا دے اِسے

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا قیام ۱۹۷۲ء میں عمل میں آیا تھا۔ گویا اس نے بحمداللہ اپنی زندگی کے سولہ سال پُورے کر لیے ہیں۔

۲۳ مارچ ۱۹۸۸ء کو انجمن کا سولہواں سالانہ اجلاس منعقد ہوا جس میں آئندہ دو سال کے لیے انجمن کی مجلس منتظمہ کا انتخاب بھی ہوا اور سالانہ حسابات بھی پیش ہوئے۔ ساتھ ہی انجمن کے معتمد صاحب کی جانب سے سال ۱۹۸۷ء کی کارکردگی کی مختصر رپورٹ بھی پیش کی گئی۔ جس کی مزید تلخیص اس شمارے میں شائع کی جا رہی ہے۔

اس رپورٹ سے اُس دعوت رجوع الی القرآن اور تحریک تعلیم وتعلّم قرآن کی وسعت کا ہرگز کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا جس میں راقم نے اللہ تعالیٰ کی توفیق وتیسیر کے طفیل اپنی زندگی کے بائیس سال کھپائے ہیں۔ اِن دنوں راقم نے اپنے بعض خطاباتِ جمعہ میں اس دعوت کو اللہ تعالیٰ نے جن کامیابیوں سے ہمکنار فرمایا ہے اُس کے بعض گوشوں کی جانب اشارے کیے ہیں، اور راقم کی خواہش ہے کہ وہ ان پہلوؤں کو ایک مربُوط تحریر کی صورت میں قلمبند کر دے تاکہ بموجب فرمانِ الٰہی " وَاَمَّا بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ " —— اللہ تعالیٰ کے اُن احسانات کا ذکر علی رؤس الاشہاد، ہو جائے جن کے طفیل ایک بندۂ عاجز وحقیر کی مساعی اسے اپنی نگاہوں کے سامنے بارآور

ہوتی نظر آئیں۔ جس سے "وَاُخریٰ تحبّونہا" کے مصداق انسان کو طبعی طور پر خوشی محسوس ہوتی ہے" ـــــــ اور اس طرح انسان کے قلب کی گہرائیوں سے اللہ کے شکر و امتنان کے جذبات اُبھرتے ہیں!

ویسے بھی "دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر" کے عنوان سے راقم کی جو تحریریں اولاً 'میثاق' اور پھر 'حکمت قرآن' میں شائع ہو چکی ہیں اُن کو کتابی صورت میں شائع کرنے کے لیے اس دعوت کی وسعت' اس کے اثر و نفوذ' اور کامیابی و پذیرائی کے مظاہر کا ایک جائزہ ضروری ہے تاکہ اس سے ایک جھلک اُس 'منظر' کی بھی سامنے آجائے جس کا 'پس منظر' ان تحریروں میں پیش کیا گیا ہے۔ اگر اللہ کو منظور ہوا تو اب یہ کام پہلی فرصت میں کرنے کا ارادہ ہے تاکہ اس کتاب کی اشاعت مزید مؤخر نہ ہو ـــــــ اور اگر اس ماہِ رمضان مبارک ہی میں اس منظر کی نقشہ کشی 'موقلم' کی بجائے قلم سے ہو گئی تو ان شاء اللہ حکمت کے آئندہ شمارے میں ہدیۂ قارئین کر دی جائے گی۔

اس دعوت و تحریک کی پیش رفت کا ایک مظہر رمضان مبارک میں نماز تراویح کے ساتھ پورے قرآن مجید کے ترجمے کا دَورہ ہے۔ راقم نے محض اللہ کی تائید و نصرت کے بھروسے پر اب سے پانچ سال قبل اس کا آغاز کیا تھا۔ چنانچہ پہلے دو سال لاہور اور پھر ایک سال کراچی میں یہ خدمت خود انجام دی ـــــــ گزشتہ سال لاہور میں تین مقامات پر یہ کام راقم کے نوجوان ساتھیوں نے کیا۔ اب اس سال رفقاء کے اصرار پر پھر راقم ہی یہ خدمت 'جامع القرآن' قرآن اکیڈمی' ماڈل ٹاؤن لاہور میں سرانجام دے رہا ہے' اور اس بار لاہور میں ۶۴ مقامات پر ٹیلیفون ریلے سسٹم کے ذریعے یہ دورۂ ترجمہ سنا جا رہا ہے۔ اس ٹیلیفون ریلے سسٹم کے باعث خیال تھا کہ اس سال قرآن اکیڈمی میں حاضری کم ہو گی۔ لیکن الحمد للہ کہ لوگوں میں جو طلبِ صحیح پیدا ہو رہی ہے اس کا نتیجہ ہے کہ پانچ سوا پانچ گھنٹے کے اس پروگرام میں عام دنوں میں ڈھائی تین صد افراد آخر وقت تک ہوتے ہیں اور شب جمعہ کو تو یہ تعداد پانچ صد کے لگ بھگ بلکہ غالباً اس سے بھی زائد تھی۔

© rasailojaraid.com

اس دورۂ ترجمہ کے دوران راقم نے خود محسوس کیا ہے کہ قرآن حکیم کی چند آیات پر دو ڈھائی گھنٹے کے درس کی افادیت کچھ اور ہوتی ہے —— اور اس مسلسل اور سریع الحرکت (RAPID) ترجمۂ قرآن کی تاثیر بالکل اور ہے —— جسے الفاظ میں ادا کرنا ممکن نہیں۔ صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ ع "لذّت ایں بادہ نہ دانی بخدا تا نہ چشی"!

اس پروگرام کے پہلے دو سالوں کے آڈیو کیسٹ کے بے شمار سیٹ دنیا کے کونے کونے میں پہنچ چکے ہیں۔ اس سال بھی اگر صحت اور زندگی نے ساتھ دیا اور یہ دورۂ ترجمہ مکمل ہو گیا تو ان شاء اللہ اس دعوت کو مزید توسیع حاصل ہوگی۔

اس سال انجمن کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والے 'سالانہ محاضراتِ قرآنی' کا مجموعی موضوع "اسلام کا نظامِ حیات" تھا۔ ان محاضرات میں جو ۲۵ تا ۲۸ مارچ 'جناح ہال' لاہور میں منعقد ہوئے۔ قرآن کی اخلاقی و روحانی، سماجی و معاشرتی، اقتصادی و معاشی اور سیاسی و دستوری تعلیمات پر نہایت مؤثر تقاریر بھی ہوئیں اور بیش قیمت مقالات بھی پیش ہوئے۔ تقاریر کے ضمن میں تو ظاہر ہے کہ معاملہ وہی ہوتا ہے کہ ؎ "جو تو نہیں تھا شریکِ محفل، قصور تیرا ہے یا کہ میرا۔ مرا طریقہ نہیں کہ رکھ دوں کسی کی خاطر مئے شبانہ"! —— البتہ مقالات کی سلسلہ وار اشاعت 'حکمتِ قرآن' میں جلد ہی شروع کر دی جائے گی —— ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم ۔ امين يارب العلمين ۔

عَنْ عُثْمَانَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ

.com